AL-AHQAQ Recognized by HEC in Y-Category
https://ahqaq.com/index.php/Journal/article/view/47 ONLINE - ISSN- 3006-595X
Volume.3, Issue.1 (2025) PRINT - ISSN- 3006-5941

اردو ادب کی تفہیم و تعبیر میں مصنوعی ذہانت کا کردار: مسائل و امکانات

The Role of Artificial Intelligence in Understanding and Interpreting Urdu Literature: Challenges and Possibilities

Muhammad Amir Sohail

Lecturer, Department of Urdu language and literature, University of Sargodha, Sargodha

muhammad.amir@uos.edu.pk

Ahmad Raza khan

M.Phil. Urdu, Department of Urdu language and literature University of Sargodha, Sargodha, ahmadraza.52521@gmail.com

Abstract:

Artificial intelligence is the most powerful and astonishing invention of contemporary science. It serves as a semi-alternative to real intelligence. Real intelligence is based on human imagination, human creativity, human thought, and reflection. Since artificial intelligence is machine-based, it is referred to as an alternative to real intelligence. It operates under the commands given by humans. It is not merely limited to the collection, classification, organization, and arrangement of data. Its scope extends to creative new performances based on a question or idea.Since artificial intelligence is a substitute for real intelligence and possesses creative capabilities, it can create literature based on a given question, idea, or concept. It can compose poetry, stories, short stories, essays, or any prose piece within moments.This is not limited to the creation of literature but also possesses the ability to understand, interpret, and elucidate literature. What is its critical methodology, and what are its individual and collective opinions about a literary genre or piece of art? To what extent does it have access from theoretical discussions of criticism to practical studies? In what contexts does it view a poem or piece of art, and what is its critical status? What principles does it hold

regarding the evaluation of a piece of art? The answers to these questions, in the context of Urdu literature, are what this essay seeks to explore. Understanding this and examining the problems and possibilities that arise from the results of its critical methodology is the fundamental subject of this paper.

Keywords: Artificial intelligence, literature, literary criticism, data science, Human intelligence, Creative process, literary taxt

ملخص: مصنوعی ذہانت معاصر سائنس کی سب سے طاقت ور اور حیران کن ایجاد ہے۔ یہ حقیقی ذہانت کا نیم متبادل ہے۔ حقیقی ذہانت کی اساس انسانی تخیل، انسانی تخلیقی صلاحیت، انسانی تفکر اور سوچ و بچار پر قائم ہے۔ یہ چوں کہ مشینی ہے، اس لیے اسے حقیقی ذہانت کے متبادل مصنوعی ذہانت کہا جاتا ہے۔ یہ انسان کی دی گئی کمانڈ کے تابع ہے۔ یہ محض مواد کی جمع آوری، درجہ بندی، تنظیم اور ترتیب تک محدود نہیں ہے۔ اس کا دائرہ کار کسی سوال یا خیال کے تابع تخلیقی نئی تخلیقی کارگزاری تک پھیلا ہوا ہے۔ مصنوعی ذہانت چوں کہ حقیقی ذہانت کا متبادل ہے اور تخلیقی صلاحیت کی حامل ہے اس لیے یہ دیئے گئے سوال، خیال یا تصور کے مطابق ادب کی تخلیق بھی کر سکتی ہے۔ یہ نظم، کہانی، افسانچہ، مضمون یا کوئی نثر پارہ چند لمحوں میں تخلیق کر سکتی ہے۔ یہ ادب کی تخلیق تک ہی محدود نہیں بلکہ ادب کی تفہیم و تشریح اور توضیح و تعبیر کی صلاحیت بھی رکھتی ہے۔ اس کا تنقیدی طریقہ کار کیا ہے، کسی ادبی صنف یا فن پارے کے بارے انفرادی و اجتماعی اس کی کیا رائے ہے۔ تنقید کے نظری مباحث سے عملی مطالعات تک اس کی رسائی کتنی ہے۔ یہ کسی شعر یا فن پارے کو کن تناظرات میں دیکھتی ہے اور اس کی تنقیدی حیثیت کیا ہے۔ فن پاروں کے تعین قدر کرتے اس کے سامنے کیا اصول ہوتے ہیں۔ مصنوعی ذہانت مذکورہ جملہ سوالات کے جوابات اردو ادب کے حوالے سے کیا دیتی ہے۔ ان کو جاننا اور اس کے تنقیدی طریقہ کار کے نتائج میں پیدا ہونے والے مسائل و امکانات دیکھنا اس مقالے کا بنیادی موضوع ہے۔)

مصنوعی ذہانت انسان کی بنائی مشین کی صلاحیت کا نام ہے۔ جس کے ذریعے وہ قدرتی یا انسانی ذہانت کی نقالی کر سکے۔(۱) یہ اصلی ذہانت کی نقل ہے۔ اس لیے مصنوعی ہے۔ حقیقی ذہانت کا تعلق انسان کے تخیل، سوچنے، سمجھنے، جانچنے اور پرکھنے کے ساتھ ہے۔ حقیقی انسانی صلاحیت کی اساس میں انسانی تخیل، تخلیقی صلاحیت، جذبہ، تفکر، خیال، تحرک اور انسانی سوچ و بچار شامل ہیں۔ اس کے برعکس مصنوعی ذہانت مشینی ہے۔ اس کو انسانی ذہانت کا قطعی متبادل سمجھ لینا گمراہ کن ہے۔ اس میں خود ایسی صلاحیت نہیں کہ انسانی ذہن کی طرح اچانک اسے کوئی خیال آئے، آمد ہو، کسی واقعے کو دیکھ کر اس پہ اثر ہو، درد، تکلیف یا اذیت سے دوچار ہو جس کے نتیجے میں اس میں تخلیقی وفور پیدا ہو، جو بعد ازاں شعر، نظم کہانی یا کوئی فن پارہ تخلیق کر کے محفوظ کرے یا سکرین پر جلوہ گر کرے۔ یہ کلی طور پر انسانی حکم اور درخواست (کمانڈ) کے تابع ہے۔ اس سے مشورہ لیا جا سکتا ہے، کسی مسئلے کا حل دریافت کیا جا سکتا ہے، کوئی سوال پوچھا جا سکتا ہے، کسی موضوع پر نظم، افسانہ، شعر یا نثر پارہ تخلیق کرنے یا کسی ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کی فرمائش کی جا سکتی ہے۔ یہ اس کا جواب اپنے حافظے میں موجود ڈیٹا (مواد) سے اٹھا کر پیش کرتی ہے۔ تنہائی میں اس سے مکالمہ کیا جا سکتا ہے تاہم اس کے پاس خود سے سوچنے کی صلاحیت اس لیے نہیں کہ یہ انسانی کمانڈ کے بغیر کچھ بتانے، تخلیق کرنے، ترتیب دینے یا حل نکالنے کی حالت میں نہیں ہے۔

باقر نقوی کے مطابق:

"مصنوعی ذہانت ابھی تک کی معلومات اور ترقی کے پیش منظر میں کمپیوٹر سائنس، علم افعال الاعضا(Physiolay)اور فلسفے کے اتصال کو کہتے ہیں. جس کی مدد سے انسان میں موجود قدرتی ذہانت کو سمجھا جاسکے اور اُس کی نقالی کے قابل مشینیں بنائی جاسکیں جو انسان کے دماغ کے متبادل کے طور پر کام کرنے کے قابل ہو سکیں۔ دوسرے الفاظ میں مصنوعی ذہانت کے تمام عناصر کی مجموعی کوشش ایسی مشینیں بنانا ہے جو سوچ بھی سکیں، مشکل اور گنجلک گتھیوں کو سلجھا سکیں، اصول سازی کر سکیں اور خیالات یا اشیا کو پہچان کر ان پر اثر انداز ہو سکیں۔"(۲)

تاہم انسانی ذہن اور مشینی صلاحیت میں فرق کی شناخت ناگزیر ہے۔ انسانی ذہن خود سے سوچنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ واقعات کو سیاق کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس میں تقابل کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ اچانک اسے کوئی خیال آ سکتا ہے۔ اس میں یادداشت کا مادہ ہے۔ اس کے لیے سب سے اہم وسیلہ اظہار ادب ہے۔ یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ کمپیوٹر / مشین (مصنوعی ذہانت) کے پاس سوچنے، سمجھنے، تجزیانے، مشورہ دینے، تبصرہ کرنے یا خلق کرنے کی جو صلاحیت ہے وہ فطری نہیں انسان کی عطا کردہ ہے۔ اس لیے کہ انسان کے پاس موجود ذہانت، فہم و فراست، سوچنے کا خاصہ، سمجھنے کی صلاحیت اور تخلیقی و تنقیدی شعور قدرتی ہے۔ ایک دنیا عالم امثال ہے جسے افلاطون حقیقی دنیا کہتا ہے۔ اسے انسانی آنکھ دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ دوسری دنیا جو ظاہری ہے۔ انسانی آنکھ کے دسترس میں ہے۔ بقول افلاطون شاعر ظاہری دنیا کو دیکھ کر اس کی نقل کرتا ہے گویا وہ نقل کی نقل کرتے ہوئے جو تخلیق کرتا ہے وہ اصل سے دو درجے فاصلے پر ہے۔ اب چونکہ مصنوعی ذہانت انسان کی تخلیق کردہ ہے اس لیے مذکورہ سیاق میں مصنوعی ذہانت کا تخلیق کردہ ادب حقیقت سے تین درجے دور ہے۔

اس ضمن میں ایک اہم سوال اٹھایا جاتا ہے کہ آیا مصنوعی ذہانت کی ویسے تخلیقی صلاحیت ہے جیسے انسان کے انسان کے پاس ہے۔ مصنوعی ذہانت کی ایک ایپ جیمنائی سے جب یہ سوال پوچھا گیا تو اس نے چند بنیادی باتیں کیں جن کا خلاصہ ہے کہ مصنوعی ذہانت موجود ڈیٹا کی بنیاد پر نئی چیزیں پیدا کرتی ہیں جبکہ انسان کے پاس فطری طور نئی چیزیں تخلیق کرنے کے علاوہ احساسات، تجربات اور بصیرت ہے۔ احساس، مشاہدہ اور تجربہ مصنوعی ذہانت کے پاس نہیں ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ مصنوعی ذہانت ایک آلہ ہے جبکہ انسان تخلیق کار ہے۔ اس کے ساتھ جیمنائی کا ماننا ہے کہ مستقبل قریب میں مصنوعی ذہانت کے پاس ذاتی تخلیقی و تخیلی صلاحیت کا امکان واضح ہیں۔

انسانی ذہانت اور مصنوعی ذہانت کے ضمن میں یادداشت کا قضیہ اہم ہے۔ انسانی یادداشت کی بنیاد دماغی صلاحیت پر منحصر ہے اسے تجربات، مشاہدات، اشاروں، جگہوں، ناموں اور واقعات کی مدد سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ انسانی یادداشت کا تعلق جذبات کے ساتھ بھی ہے وہ واقعات، لمحات، باتیں جگہیں، جن سے جذباتی تعلق ہو وہ تا دیر یادداشت کا حصہ رہتے ہیں۔ وقت کے ساتھ یادداشت میں کمی واقع ہو سکتی ہے۔ حسیات کے ساتھ اس کا ربط گہرا ہے۔ وقت کے ساتھ غیر اہم اور غیر متعلقہ چیزیں دھندلی ہوتی جاتی ہیں۔ نئی چیزیں شعور کا حصہ بنتی جاتی ہیں۔ کچھ چیزیں (جذبات، احساسات، باتیں) لاشعور میں چلی جاتی ہیں اس لیے انسانی یادداشت پیچیدہ اور کثیر الجہت بھی ہے۔ اس کے برعکس مصنوعی ذہانت میں یادداشت کا انحصار اس میں موجود ڈیٹا پر ہے۔ ڈیٹا کئی صورتوں میں محفوظ ہوتا ہے۔ تحریری، تصویری، عددی، شماریاتی، آوازیں آڈیو، ویڈیوز وغیرہ۔ ان دونوں میں فرق ہم تقابل کی صورت میں کرسکتے ہیں۔ انسانی یادداشت دماغ میں ہوتی ہے جبکہ مصنوعی ذہانت میں ڈیٹا ہارڈ ڈسک

میں ہوتا ہے۔ انسانی یادداشت میں احساسات شامل ہیں جبکہ مصنوعی ذہانت میں معلومات ہوتی ہیں۔ انسانی یادداشت میں تجربات، مشاہدات اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ معلومات بدلتی رہتی ہیں جبکہ مصنوعی ذہانت کو انسان خود نہیں معلومات فراہم کرتا ہے اور مسلسل اسے نئے حالات واقعات اور معلومات سے اپ ڈیٹ کیا جاتا ہے۔ انسانی یادداشت کی بازیات پر زور دیا جاتا ہے جبکہ مصنوعی ذہانت کی یادداشت ایک کمانڈ کی تاخیر پر واقع ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ تیزی سے سوالات کے جوابات سکرین پر ظائر کر دیتی ہے۔ بقول جیمنائی انسانی یادداشت جذباتی، تجرباتی اور متنوع ہے جبکہ مصنوعی ذہانت کی یاداشت منطقی، عددی اور معلوماتی ہے۔

انسانی تخلیقی عمل اور مصنوعی ذہانت کے تخلیقی عمل میں بھی فرق ہے۔ انسان خود سوچتا ہے۔ تجربات سے سیکھتا ہے۔ مشاہدات، غور و فکر اور احساسات سے گزر کر نئے خیالات سے روشناس ہوتا ہے۔ اپنی تخیلاتی حس، بصیرت اور صلاحیت سے نئی چیزیں خلق کرتا ہے۔ مختلف معلومات کو ہم آہنگ کر کے منفرد تخلیقات پیش کرتا ہے۔ انسان جس سماج میں رہتا ہے، جن حالات سے گزرتا ہے، جن تہذیبی اقدار میں جیتا ہے، جن ثقافتی سرگرمیوں کا حصہ بنتا ہے، جن عقائد، نظریات اور تصورات کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے، جس ماحول میں پرورش پاتا ہے، جو عمل انجام دیتا ہے، جس سیاسی نظام کے تابع رہتا ہے، ان سب کا اثر اس کے شعور، لاشعور اور اجتماعی لاشعور پر گہرا ہوتا ہے۔ انسانی تخلیقی عمل اس سے ماورا نہیں ہو سکتا۔ اس کے سیاق میں مذکورہ سب تہذیبی، مذہبی، نفسیاتی، جنسی، معاشرتی اور سماجی عوامل و محرکات رہتے ہیں۔ اس کے برعکس مصنوعی ذہانت کا تخلیقی عمل غیر انسانی یعنی مشینی ہے۔ جس کا انحصار موجود ڈیٹا (جو انسان نے مشین میں محفوظ کیا ہوتا ہے) پر ہے۔ انسانی تخلیقی عمل کی بنیاد فکر، خیال، جذبہ، احساس، کسی الجھن، مسئلہ یا کیفیت پر ہے جبکہ مصنوعی ذہانت کا تخلیقی عمل انسان کی دی ہوئی کمانڈ سے شروع ہوتا ہے اور اس کا عمل مختلف معلومات (ڈیٹا) پر آگے بڑھتا ہے۔ انسانی تخلیقی عمل میں جذبے کی سچائی، خیال کی گہرائی، فکر کی پیچیدگی، تخیل کی اڑان، اخلاص کی شیرینی، فن کی پختگی، زبان کی شگفتگی، مزاح کی لطافت اور طنز کی کیفیت شامل ہوتی ہے جبکہ مصنوعی ذہانت کے تخلیقی عمل میں معروضیت، سنجیدگی، منطقیت، سادگی اور سطحی کیفیت غالب ہوتی ہے۔ اس سے آگے بڑھیں تو یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ جنریٹو مصنوعی ذہانت کیا کر سکتی ہے، "جنریٹو مصنوعی ذہانت کے پاس تخلیق، تفہیم اور ابلاغ کی غیر معمولی صلاحیت ہے۔ وہ موسیقی ترتیب دے سکتی ہے، شاعری لکھ سکتی ہے فکشن لکھ سکتی ہے، مصوری کر سکتی ہے، علمی مقالات لکھ سکتی ہے علمی مقالات کے خلاصے تیار کر سکتی ہے، درست ترجمے کر سکتی ہے، مذہبی، اخلاقی، قانونی، تعلیمی، سیلف ہیلپ قسم کی کتب تصنیف کر سکتی ہے، نفسیاتی و روحانی مسائل میں انسانوں کی رہنمائی کر سکتی ہے۔ انسان کی تنہائی میں اس سے ہر موضوع پر بات کر سکتی ہے۔"(۳)

مذکورہ بالا معروضات سے انسانی انتقادی عمل اور مصنوعی ذہانت کے انتقادی عمل میں فرق سمجھا جا سکتا ہے۔ جس طرح انسانی تخلیقی عمل پیچیدہ ہیں اس کے سیاق میں شعور، لاشعور، اجتماعی لاشعور، تہذیبی و ثقافتی پس منظر، ادبی روایت، عہد اور اس کا ماحول، سماج اور اس کی قدریں، ادیب کی نفسیاتی و جذباتی کیفیات، تخلیقی صلاحیت، جذباتی احساسات و مشاہدات اور انھیں نکھارنے کے لیے علم، تجربہ، ریاضت اور مطالعہ شامل ہیں اسی طرح انسانی انتقادی عمل میں مذکورہ بالا جملہ سیاق نقاد کے پیش نظر ہوتے ہیں۔ انسانی دماغ کے پاس متن کو سمجھنے، تجزیانے اور پرکھنے کی صلاحیت گہری ہے۔ ادبی متن فنی سطح پر رمز و کنایہ اور تشبیہ و استعارہ کا حامل ہوتا ہے۔ ہر صنف کی الگ شعریات ہوتی ہیں جن کو اسی ادارے میں رہ کر سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔ نقاد ان فکری و فنی رموز سے آگاہ ہوتا ہے۔ وہ تعبیری طریقہ کار، انتقادی صلاحیت، تفہیمی اپروچ

کے ساتھ متن کو کثیر الجہت ابعاد میں سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ وہ ادیب، اس کے حالات، اس کا عہد، اپنے عہد، ادبی روایت، زیر بحث صنف کی روایت اور تہذیبی و ثقافتی ادبی حوالوں سے واقف ہو کر متن کو سمجھتا ہے۔ انسانی تخلیقی عمل میں جذبے کی صداقت اور خیال کی گہرائی انسانی انتقادی عمل ہی پوری طرح سمجھ سکتا ہے۔ انسانی انتقادی عمل میں قرات کی سہولت ہوتی ہے۔ لفظوں کو اتار چڑھاؤ سے، کئی بار پڑھنے سے مختلف زاویوں اور تناظرات میں دیکھنے سے ایک متن سے کئی محنت معنی بر آمد ہوتے ہیں۔ یوں انسانی انتقادی عمل تجزیہ و تقابل کی مدد سے ادیب / متن کے مقام و مرتبے کے تعین میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ انسانی انتقادی عمل میں تجزیہ، تفہیم، تعبیر اور تشریح کے امکانات زیادہ روشن اور مستند ٹھہرتے ہیں۔ اس کے بر عکس مصنوعی ذہانت کے انتقادی عمل میں زیر بحث متن میں موجود الفاظ کے لفظی و لغوی معنی، تلمیح کی سرسری وضاحت، استعارہ کی سطحی اور ناکافی تفہیم شامل ہیں۔ اس میں متن کو ادبی روایت کے سیاق میں، قاری کی نظر میں مختلف تناظرات میں، قرات کے عمل سے لفظوں کے زیر و بم سے اور متن کو مصنف کی نظر میں دیکھنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ مصنوعی ذہانت کا تشریحی، تجزیاتی اور تفہیمی انداز سطحی، معروضی اور منطقی ہے جو نہایت سرسری اور ظاہری حوالوں پر مشتمل ہے۔ یہ شعر کی شعریت کو پہچاننے سے قاصر ہے۔ اس میں جذبے کی سچائی اور احساس کی گہرائی کو بیان کرنے کی اہلیت نہیں ہے۔

مصنوعی ذہانت بالخصوص جنریٹو مصنوعی ذہانت کی رائج مفت ایپس چیٹ جے پی ٹی اور جیمنائی کسی خیال، تصور یا دیئے گئے سوال کے تحت ادبی فن پارہ یعنی شعر، نظم، سفر نامہ، افسانچہ یا افسانہ تخلیق کر رہی ہے۔ ہم نے اس کی تخلیقی صلاحیت کو جاننے کے بجائے اس مقالے میں جنریٹو مصنوعی ذہانت کی انتقادی صلاحیت کا جائزہ لینا ہے آیا وہ اردو ادب کی تفہیم و تعبیر میں کیا کردار ادا کر رہی ہے۔ اس سے کون سے مسائل سامنے آرہے ہیں۔ آئندہ اس کی مدد سے نقد و نظر، تفہیم و تشریح اور تجزیہ و تعبیر کے کون سے امکانات متوقع ہیں۔ اس ضمن میں چیٹ جی پی ٹی اور جیمنائی دو ایپ کو مد نظر رکھتے ہوئے چند معروضات قابل توجہ ہیں۔ ہمارے پیش نظر کلاسیکی و جدید شعرا کی غزل کے چند منتخب شعر اور نظموں کے مکمل متون ہیں۔ اس کے علاوہ کسی ایک ناول اور افسانے کا متن دیئے بغیر عمومی سوال کیے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں چند دیگر معروضی نوعیت کے سوالات بھی کیے ہیں تا کہ اس کی معلومات کا اندازہ لگایا جاسکے۔ اس ضمن جنریٹو مصنوعی ذہانت کی انتقادی صلاحیت / اپروچ کو دیکھا گیا ہے۔ اس سے کونسے مسائل سامنے آئے ہیں، ان کو بھی دیکھا گیا ہے۔

غزل کا ہر شعر معنوی اعتبار سے خود مکتفی، کثیر الجہت، کثیر المعنی، متنوع اور وسعت آمیز ہوتا ہے کہ جس کی ایک تشریح ناکافی ٹھہرتی ہے۔ فنی اعتبار سے غزل کا آرٹ مطلع، مقطع، حسنِ مطلع، قافیہ اور ردیف پر منحصر ہے۔ مزاج کے اعتبار سے غزل رمزیہ، اشاراتی، ایمائی، علامتی، استعاراتی اور وارداتِ قلبی و معاملاتِ عشق کے بیان کو محیط ہے جس میں درد، سوز و گداز، ندرتِ خیال اور فکر کی گہرائی شامل ہے۔ اسی سے غزل کا جمالیاتی تاثر ابھرتا ہے۔ جدید غزل موضوع کی قید سے ماورا ہو چکی ہے کہ اس میں ہر طرح کا موضوع بیان کیا جاسکتا ہے۔ اردو غزل کا مزاج لفظ و معنی، ہیئت و مواد، زبان و خیال اور موضوع و اسلوب کی ہم آہنگی پر قائم ہے۔ اس کے پس منظر میں ہندوستانی تہذیبی اثرات، فارسی غزل کے اثرات، مقامی زمینی رنگ، مشرقی طرز احساس، متصوفانہ نظریات، عشقیہ جذبات، سیاسی و سماجی حالات، فلسفیانہ خیالات، غمِ دوراں، غمِ جاناں اور غمِ ذات شامل ہیں۔ ایک شعر دو مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کو اتنا سادگی، معروضیت، سطحی تشریحی انداز، لغوی اعتبار اور منطقیت کے ساتھ مترشح نہیں کیا جاسکتا۔ اردو غزل کی شعریات، مزاج اور رسمیات کو سمجھے بغیر اس کی تفہیم و تعبیر ناممکن ہے۔ ذیل میں چند

منتخب غزل کے اشعار کی تفہیم و تعبیر کے لیے چیٹ جی پی ٹی اور جیمنائی کے تفہیمی و تعبیری انداز کا جائزہ لینے کے لئے چند تجربات کیے ہیں۔

ہم نے خواجہ میر درد کے شعر کی کمانڈ دی جس میں درد بطور تخلص استعمال ہوا ہے۔

کمانڈ:"درج ذیل شعر کی تشریح کریں اے درد تک آئینہ دل کو صاف کر پھر ہر طرف نظارہ حسن و جمال کر"

جیمنائی :

شعر کی تشریح:"اے درد تک آئینہ دل کو صاف کر پھر ہر طرف نظارہ حسن و جمال کر"

یہ شعر ایک گہرا فلسفیانہ اور روحانی پیغام رکھتا ہے۔

- **اے درد تک آئینہ:** یہاں "درد" کا استعمال ایک استعارے کے طور پر کیا گیا ہے۔ درد کو یہاں دل کی مٹیالا پن، غم، یا کسی قسم کی نفسیاتی تکلیف کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ "آئینہ" دل کا ایک عکس ہے۔
- **دل کو صاف کر:** یہ مصرع بتاتا ہے کہ درد یا غم جو دل میں جمع ہو گیا ہے، اسے دور کرنے کی ضرورت ہے۔ دل کو صاف کرنے سے مراد یہ ہے کہ اپنے اندر موجود منفی جذبات اور خیالات سے آزاد ہونا ہے۔
- **پھر ہر طرف نظارہ حسن و جمال کر:** جب دل صاف ہو جائے گا تو پھر انسان ہر چیز میں حسن اور جمال دیکھ پائے گا۔ یہاں حسن اور جمال کا مطلب صرف ظاہری خوبصورتی ہی نہیں بلکہ زندگی کی ہر نعمت اور نعمت کا احساس کرنا بھی ہے۔

مجموعی طور پر اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ:

- انسان کو اپنے اندر موجود منفی جذبات اور خیالات سے آزاد ہونا چاہیے۔
- جب انسان اپنے دل کو صاف کر لیتا ہے تو پھر وہ زندگی کی ہر نعمت اور نعمت کا احساس کر سکتا ہے۔
- زندگی میں ہر چیز میں حسن اور جمال موجود ہے، بس ہمیں اسے دیکھنے کی آنکھیں کھولنی ہیں۔

اس شعر سے ہم یہ سبق لے سکتے ہیں کہ:

- خوشی اور سکون کے لیے ہمیں اپنے اندرونی تناؤ اور غموں کو دور کرنا چاہیے۔
- زندگی میں مثبت سوچ رکھنے سے ہمیں بہت کچھ حاصل ہوتا ہے۔
- ہر مشکل کے بعد آسانی آتی ہے اور ہر اندھیرے کے بعد روشنی۔

یہ شعر ہمیں ایک امید اور مثبت سوچ کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ زندگی میں ہر چیز ممکن ہے اور اگر ہم اپنے اندر موجود منفی جذبات سے لڑیں تو ہم ایک بہتر زندگی گزار سکتے ہیں۔ "

دونوں مصروں میں درد کو شاعر کے تخلص کے طور پر نہیں درد کو بمعنی تکلیف اور غم کے لیا گیا ہے۔ اصل میں شاعر خود سے مخاطب ہے کہ اے درد اپنے دل کے آئینے کو جلدی صاف کر، وسعت قلبی پیدا کر، اگر دل میں کوئی رنج غم تکلیف ہے تو اس کو ختم کر ڈال۔ دل کا آئینہ جب صاف و شفاف ہو جائے گا تب اپنے ارد گرد نظارہ (تماشا) حسن و جمال کر۔ جب دل ہر طرح کے مسائل سے ماورا ہو کر برائیوں سے پاک ہو گا تو اس جمال کی تاثیر، لطافت اور لذت مزید نکھر کر سامنے آئے گی۔ چیٹ جی پی ٹی نے اس شعر میں خواجہ میر درد کے تخلص کو سمجھنے میں غلطی کی

AL-AHQAQ Recognized by HEC in Y-Category
https://ahqaq.com/index.php/Journal/article/view/47 ONLINE - ISSN- 3006-595X
Volume.3, Issue.1 (2025) PRINT - ISSN- 3006-5941

ہے۔ایک طرح سے اس کا مکمل تشریحی طریقہ کار ایک لفظ کو غلط سمجھنے کے سبب گمراہ کن ثابت ہوا ہے۔

جیمنائی نے "درد" کو ایک استعارے کے طور پر لیا۔اس کے مطابق درد کو دل کے مٹیالہ پن، غم یا کسی قسم کے نفسیاتی تکلیف کے طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔تاہم مجموعی طور پر اس نے شعر کی فہم تک ستر فیصد رسائی حاصل کر لی۔بقول اس کے انسان اپنے اندر سے منفی جذبات کو ختم کر کے زندگی کی ہر نعمت کا احساس کر سکتا ہے۔زندگی میں حسن و جمال موجود ہے۔ہمیں دیکھنے والی آنکھیں کھولنی چاہئیں۔آخر میں اس نے اس شعر کو رجائیت کے حوالے سے بھی دیکھا ہے جو کہ بالکل درست ہے۔

مرزاغالب کے ایک شعر کا تجزیہ دیکھیے :

کمانڈ: درج ذیل شعر کا تجزیہ کریں: دی مرے بھائی کو حق نے، از سرِ نو، زندگی میرزا یوسف ہے، غالب، یوسف ثانی مجھے "

جیمنائی :

" اس شعر کا تجزیہ کچھ اس طرح کیا جاسکتا ہے:

- **"دی مرے بھائی کو حق نے، از سرِ نو، زندگی":** اس مصرع میں شاعر، یعنی غالب، اپنے بھائی کی زندگی کی تازگی اور نیا آغاز بیان کر رہا ہے۔"حق" کا ذکر اس بات کی علامت ہے کہ یہ زندگی کا نیا مرحلہ خدا کی مرضی یا قدرت کی عطا سے ہوا ہے۔"از سرِ نو" کا مطلب ہے دوبارہ یا نئے سرے سے، جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ زندگی ایک نئی شروعات ہے۔
- **"میرزا یوسف ہے، غالب، یوسف ثانی مجھے":** اس مصرع میں شاعر اپنی شناخت کا اظہار کرتا ہے۔"میرزا یوسف" خود غالب کا نام ہے، جبکہ "یوسف ثانی" کا مطلب ہے کہ وہ یوسف علیہ السلام کی مانند ہیں۔یوسف کی کہانی میں مصائب کے بعد کامیابی اور عزت ملنے کا ذکر ہے، جو غالب کی اپنی زندگی کی صورت حال سے مماثل ہے۔

مجموعی طور پر، یہ شعر شاعر کی امید اور خود اعتمادی کا اظہار کرتا ہے، جہاں وہ اپنی مشکلات کے باوجود نئی زندگی کی طرف دیکھ رہا ہے اور اپنے آپ کو یوسف کی طرح ایک کامیاب شخصیت کے طور پر پیش کر رہا ہے۔یہ شعری انداز میں زندگی کی تازگی اور خدا کی عنایت کی اہمیت کی عکاسی کرتا ہے۔"

اصل میں یہ شعر مرزاغالب نے اپنے بھائی سے متعلق کہا ہے۔اپنے بھائی کی خوب صورتی اور اس سے اپنی محبت کے اظہار کے لیے غالب نے اپنے بھائی مرزا یوسف کو "یوسف ثانی" کا لقب دیا ہے۔یہ شعر اپنا مکمل سیاق رکھتا ہے۔چیٹ جی پی ٹی نے دوسرے مصرے کا تجزیہ کرتے ہوئے میرزا یوسف کو خود غالب قرار دیا ہے۔مزید براں غالب کی زندگی اور حضرت یوسف کی زندگی میں مشکلات کو مماثل سمجھا ہے، جو کہ غلط ہے۔اسی شعر کے تجزیہ کی کمانڈ جیمنائی کو دی گئی تو اس نے مزید غلط تعبیر کی۔اس کے مطابق غالب کا بھائی وفات پا چکا ہے، موت اس کے لیے نیا باب ہے۔دوسرے مصرعے میں شاعر اپنے آپ کو یوسف نبی سے تشبیہ دے رہا ہے۔یعنی یوسف نبی کی طرح شاعر بھی مشکلات سے دوچار ہیں، صبر کا دامن نہیں چھوڑا۔غرض چیٹ جی پی ٹی اور جیمنائی دونوں غالب کے اس شعر کو سیاق کے بغیر سمجھ کر محض سطحی انداز میں پیش کر رہی ہیں، جو کہ تفہیم و تعبیر کا غلط انداز ہے۔مصنوعی ذہانت شعر کی اصل تک رسائی حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے۔

اکبر الہ آبادی کے شعر : نئی تہذیب میں دقت زیادہ تو نہیں ہوتی مذاہب رہتے ہیں قائم فقط ایمان جاتا ہے۔

کی کمانڈ چیٹ جی پی ٹی اور جیمنائی دونوں کو دی ہے۔ دونوں نے نئی تہذیب کے ضمن میں محض اتنا کہا ہے یہ روحانیت اور اخلاقیات کو کمزور کرتی ہے۔ مذہبی روایات، رسوم، مظاہر، اپنی جگہ قائم رہتے ہیں مگر ایمان جو اصل دل کی حالت ہے اس میں کمزوری آ جاتی ہے۔ ایمان نئی ثقافت کے ساتھ متاثر ہو سکتا ہے۔ چیٹ جی پی ٹی نے اس شعر کا شاعر نہیں بتایا جبکہ جیمنائی نے حالی کو اس شور کا خالق قرار دیا۔ اول تو نئی تہذیب سے اکبر الہ آبادی کی مراد مغربی تہذیب ہے، جو اس دور میں تہذیبی غلبہ پسند رویے کے ساتھ متوسط طبقہ کو متاثر کر رہی تھی۔ دوم اس شعر کا خالق بھی جیمنائی نے غلط بتایا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مصنوعی ذہانت اشعار کی تشریح میں مصنف کے نظریہ حیات، جس دور میں شعر کہا گیا، اس کے سیاسی و سماجی حالات اور شاعری کی ایمائیت کو سمجھنے میں ناکام ہے۔ اس کا طرز سطحی اور لفظی و لغوی معنویت تک محدود ہے۔

جشن عباس کے شعر : سارا، ثروت، آنس ٹھہرو ہم چاروں مل کر جائیں گے

کی تشریح کے لیے کمانڈ دی تو چیٹ جی پی ٹی اور جیمنائی نے نہایت مغالطہ آمیز تشریح کی ہے۔ چیٹ جی پی ٹی کے مطابق شاعر چند لوگوں سے مخاطب ہے کہ رک جائیں سفر پر چاروں مل کر جائیں گے۔ یہ عمل دوستی، تعاون اور باہمی رشتہ کو فروغ دیتا ہے۔ یہی اس شعر کا پیغام ہے جبکہ جیمنائی کے مطابق 'سارا' اور 'ثروت' سے مراد دنیاوی مال و دولت ہے۔ 'آنس' سے مراد آنسو ہیں یعنی دنیاوی مال و دولت اور آنسو دونوں عارضی ہیں۔ دوسرے مصرے میں چاروں سے مراد انسان کا جسم، روح، اعمال اور قسمت ہے۔ اردو کے طالب علم جانتے ہیں سارا سے مراد سارا شگفتہ ثروت سے مراد ثروت حسین اور آنس سے مراد آنس معین ہیں ان شعرا نے خودکشی کی، موت کو خود ہی گلے لگا لیا۔ شاعر ان تینوں سے مخاطب ہے کہ آپ ٹھہرو، میں بھی آپ ساتھ جانا چاہتا ہوں۔ شاعر موت کی طرف جانے کا واضح اشارہ کر رہا ہے۔

اس شعر کی تشریح زندگی سے فرار کے معروف تصور کے ساتھ بھی کی جا سکتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے مصنوعی ذہانت کے مذکورہ دو معروف ایپ اس قابل نہیں کہ وہ اردو غزل کے اشعار کو غزل کے فن، آرٹ اور مزاج کے مطابق سمجھ کر اس کی تفہیم تعبیر کا فریضہ انجام دے سکیں۔ اردو غزل کا کلاسیکی کے مزاج، جدید رنگ اور تغزل سے بھرپور مقامی ہندوستانی تہذیبی پس منظر ہے۔ مصنوعی ذہانت غزل کے اشعار کو اُس پس منظر میں سمجھنے کے بجائے لفظوں کے سطحی مفہوم کے ساتھ تشریحی طریقہ کار کے ساتھ سمجھتی ہے۔ جو کم از کم اِس وقت تک گمراہ کن ہے تاہم یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اشعار کی تشریح وہ کسی حد تک ضرور کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے مگر مذکورہ مسائل کے سبب اس پر مکمل اعتبار کرنا فی الحال مناسب نہیں۔

اردو غزل کی طرح اردو نظم کے مزاج میں بھی اس کا مخصوص شعری آہنگ، تہذیبی سیاق، مغربی اثرات، وجودی رنگ، قومی و وطنی جذبات، رمانوی کیفیات، جنسی محرکات، نفسیاتی عوامل، سیاسی و سماجی پس منظر، اسلوب و تیکنیک کے متنوع و کثیر رجحانات اور زبان و لفظیات کا مکمل نظام پایا جاتا ہے۔ اس کے لیے بھی چند نظموں کے مکمل متون منتخب کر کے مصنوعی ذہانت سے تجربات کا تقاضا کیا گیا ہے۔

کمانڈ:

" ن م راشد کی نظم 'انتقام' (۴) کا نفسیاتی تجزیہ کریں۔

اس کا چہرہ، اس کے خدوخال یاد آتے نہیں

اک شبستاں یاد ہے

Recognized by HEC in Y-Category
ONLINE - ISSN- 3006-595X
PRINT - ISSN- 3006-5941

اک برہنہ جسم آتشداں کے پاس
فرش پر قالین، قالینوں پہ سیج
دھات اور پتھر کے بت
گوشۂ دیوار میں ہنستے ہوئے !
اور آتشداں میں انگاروں کا شور
ان بتوں کی بے حسی پر خشمگیں
اجلی اجلی اونچی دیواروں پہ عکس
ان فرنگی حاکموں کی یادگار
جن کی تلواروں نے رکھا تھا یہاں
سنگِ بنیادِ فرنگ !
اس کا چہرہ اس کے خدوخال یاد آتے نہیں
اک برہنہ جسم اب تک یاد ہے
اجنبی عورت کا جسم،
میرے "ہونٹوں" نے لیا تھا رات بھر
جس سے اربابِ وطن کی بے حسی کا انتقام
وہ برہنہ جسم اب تک یاد ہے"!

جیمنائی :

" ن م راشد کی نظم "انتقام" کا نفسیاتی تجزیہ

ن م راشد کی نظم "انتقام" ایک گہری نفسیاتی اور سماجی سطح پر پھیلی ہوئی ہے۔ شاعر نے اس نظم میں ایک ایسی صورتحال کو پیش کیا ہے جو نہ صرف فرد کی ذاتی مایوسی اور بے بسی کا اظہار کرتی ہے بلکہ ایک قوم کے اجتماعی جذبات اور استعمار کے خلاف بغاوت کی تمثیل بھی ہے۔

نفسیاتی تجزیہ:

- **بے بسی اور نفرت:** نظم میں شاعر کا کردار ایک گہری ذاتی اور اجتماعی بے بسی کا شکار ہے۔ وہ اپنے ماضی کے ایک لمحے کو یاد کرتا ہے جس میں وہ ایک برہنہ جسم کے ساتھ جسمانی تعلق قائم کرتا ہے۔ یہ عمل اس کے لیے صرف ایک جسمانی عمل نہیں بلکہ ایک طرح کا انتقام بھی ہے۔ وہ اس عمل کے ذریعے اپنے ملک پر حکومت کرنے والے فرنگی حاکموں کے خلاف اپنی نفرت کا اظہار کرتا ہے۔
- **جسم اور روح کا تضاد:** نظم میں جسم کو ایک اہم کردار دیا گیا ہے۔ برہنہ جسم ایک طرف تو شہوانی خواہشات کی نمائندگی کرتا ہے تو دوسری طرف یہ ایک سیاسی اور سماجی احتجاج کا بھی آلہ ہے۔ شاعر اپنے جسم کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا ہے جس سے وہ اپنے

دشمنوں پر حملہ کرتا ہے۔

- **یادداشت اور ماضی:** نظم میں یادداشت کا ایک اہم کردار ہے۔ شاعر ماضی کے ایک لمحے کو بار بار یاد کرتا ہے اور اسے مختلف زاویوں سے دیکھتا ہے۔ یہ یادداشت اس کے لیے ایک اذیت اور ایک تسلی دونوں ہے۔
- **انتقام:** نظم کا مرکزی خیال انتقام ہے۔ شاعر اپنے دشمنوں سے انتقام لینا چاہتا ہے لیکن اس کے پاس اس کے لیے کوئی براہ راست طریقہ نہیں ہے۔ اس لیے وہ ایک غیر مستقیم طریقے سے انتقام لیتا ہے۔

سماجی تجزیہ:

- **استعمار اور بے بسی:** نظم میں استعمار کے اثرات کو بہت واضح طور پر پیش کیا گیا ہے۔ شاعر کے کردار کو استعمار کی وجہ سے ایک گہری بے بسی کا سامنا ہے۔ وہ اپنے ملک پر حکمرانی کرنے والے فرنگی حاکموں سے نفرت کرتا ہے۔
- **اجتماعی جذبات:** نظم میں فرد کی ذاتی مایوسی کے ساتھ ساتھ ایک اجتماعی جذبات کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ شاعر کا کردار صرف ایک فرد نہیں بلکہ ایک پوری قوم کی نمائندگی کرتا ہے۔
- **مقاومت:** نظم میں مقاومت کا ایک مضبوط پیغام ہے۔ شاعر اپنے دشمنوں کے خلاف بغاوت کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

نتیجہ:

ن م راشد کی نظم "انتقام" ایک گہری نفسیاتی اور سماجی سطح پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس نظم میں شاعر نے ایک ایسی صورتحال کو پیش کیا ہے جو نہ صرف فرد کی ذاتی مایوسی اور بے بسی کا اظہار کرتی ہے بلکہ ایک قوم کے اجتماعی جذبات اور استعمار کے خلاف بغاوت کی تمثیل بھی ہے۔

اہم نکات:

- نظم میں استعارے اور کنایات کا بھرپور استعمال کیا گیا ہے۔
- نظم میں زبان کا انداز بہت ہی سادہ اور عام فہم ہے۔
- نظم میں جذبات کی شدت کو بہت خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔

نوٹ: یہ صرف ایک ابتدائی تجزیہ ہے۔ اس نظم کا مزید گہرا تجزیہ مختلف زاویوں سے کیا جا سکتا ہے۔ "

مصنوعی ذہانت (جیمنائی) نے اس نظم کا تجزیہ کرتے ہوئے نظم کی اصل تک پہنچنے کی مکمل کوشش کی ہے۔ اس نظم کا بہترین تجزیہ نفسیاتی ہی زیادہ بہتر رہا ہے۔ ہم نے مابعد نو آبادیاتی تجزیے کا تقاضہ کیا ہے مگر جیمنائی نظم کی اصل تک پہنچنے میں مکمل کامیاب نہیں ہو سکی۔ نفسیاتی تجزیہ کے تحت فرد کی ذاتی مایوسی، بے بسی کا اظہار، قوم کے اجتماعی جذبات کی نمائندگی، استعمار کے خلاف بغاوت کی تمثیل، فرنگی حاکموں کے خلاف نفرت، برہنہ عورت سے جسمانی تعلق قائم کر کے شاعر کا اپنے جسم کو استعمار کے خلاف بطور ہتھیار استعمال کرنا، غیر مستقیم طریقے سے دشمنوں سے انتقام اور مقاومت کا مضبوط پیغام ایسی تفہیمات و تعبیرات کر کے مصنوعی ذہانت قریب قریب نظم کو مکمل سمجھنے میں کامیاب ہوئی ہے۔

Recognized by HEC in Y-Category
ONLINE - ISSN- 3006-595X
PRINT - ISSN- 3006-5941

کمانڈ:

" اختر الایمان کی نظم 'تشخیص'(۵) کا تجزیہ کریں۔
مجھے یہ کون سے دار و شفا میں لائے ہوں
یہاں تو بھیڑ ہے ایک زر گزیدہ لوگوں کی
جو اپنے زخم کے مرہم کی جستجو میں ہیں
علاج اس کا تو ممکن نہیں زمین پہ ابھی
یہ زر گزیدگی ایسا مرض ہے جس کے سبب
بہت سے اور مرض جسم میں ابھرتے ہیں
ہر ایک موڑ پہ راہوں میں کتنے جان بلب
پڑے کراہتے ہیں لا دوائی کے ہاتھوں
بشر گزیدہ ہوں لے چلو یہاں سے مجھے
میرا مرض نہیں پہچانتا یہاں کوئی"

چیٹ جی پی ٹی:

اختر الایمان کی نظم "تشخیص" ایک گہری تشویش اور تنقید کے ساتھ انسانی حالت، بیماری، اور معاشرتی بے حسی کو بیان کرتی ہے۔ اس نظم کا تجزیہ مختلف پہلوؤں سے کیا جا سکتا ہے۔

موضوعات:

1. **بیماری اور معالجہ:** نظم میں "دار و شفا" کا ذکر ایک علاج گاہ کی طرف اشارہ کرتا ہے، لیکن شاعر وہاں کی حالت کو بے جان اور مایوس کن بیان کرتا ہے۔ "یہاں تو بھیڑ ہے ایک زر گزیدہ لوگوں کی" سے مراد یہ ہے کہ لوگ صرف جسمانی بیماریوں کے شکار نہیں، بلکہ روحانی و نفسیاتی زخموں سے بھی متاثر ہیں۔
2. **زر گزیدگی کا مطلب:** "زر گزیدگی" ایک علامتی اصطلاح ہے جو کہ انسانی تجربات کی تلخی اور زخموں کی شدت کو بیان کرتی ہے۔ یہ ایک ایسا مرض ہے جو نہ صرف جسمانی حالت کو متاثر کرتا ہے، بلکہ انسانی روح کو بھی جکڑ لیتا ہے۔

معاشرتی تنقید:

1. **معاشرتی بے حسی:** "ہر ایک موڑ پہ راہوں میں کتنے جان بلب" کا جملہ معاشرے کی بے حسی کو اجاگر کرتا ہے۔ لوگ اپنی بیماریوں میں مبتلا ہیں، مگر کوئی ان کی حالت کو سمجھنے یا مدد کرنے کے لیے تیار نہیں۔ یہ تنقید معاشرتی نظام کی کمزوریوں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔
2. **علاج کی ناکامی:** "علاج اس کا تو ممکن نہیں زمین پہ ابھی" یہ کہتا ہے کہ موجودہ سماج میں حقیقی علاج یا بحالی ممکن نہیں۔ یہ ایک مایوسی کا اظہار ہے، جو انسانوں کی حالت کو بہتر بنانے میں ناکامی کی عکاسی کرتا ہے۔

نفسیاتی پہلو:

1. **انسانی تنہائی:** نظم میں شاعر کی کرب ناک حالت یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ اپنے مرض کا احساس کر رہا ہے، مگر کوئی اس کی مدد کرنے والا نہیں۔ "میرا مرض نہیں پہچانتا یہاں کوئی" یہ ایک گہری تنہائی اور بے کسی کی علامت ہے، جو انسان کی داخلی جدوجہد کو بیان کرتی ہے۔

نتیجہ:

اختر الایمان کی نظم "تشخیص" انسانی حالت کی گہرائیوں میں جھانکتی ہے، جہاں بیماری صرف جسمانی نہیں بلکہ روحانی اور نفسیاتی بھی ہے۔ یہ نظم ایک مضبوط تنقید ہے معاشرتی بے حسی اور علاج کی ناکامی پر، اور ایک ایسے معاشرے کی تصویر پیش کرتی ہے جہاں انسانیت کی حالت کو سمجھنے کے لیے کوئی تیار نہیں۔ شاعر کی کربناک حالت اور بے بسی، اس نظم کو ایک طاقتور ادبی تجربہ بناتی ہے، جو انسانی وجود کی پیچیدگیوں کو اجاگر کرتی ہے۔ "

نظم کا تجزیہ کرتے ہوئے اس نے چاروں حوالوں کو مد نظر رکھا ہے۔ اول موضوعات، دوم معاشرتی تنقید، سوم نفسیاتی پہلو اور آخر میں نتیجہ کو بھی شامل کیا ہے۔ نظم کی تفہیم و تعبیر کے لیے زیر بحث نظریہ متن وسعت پذیر ہے۔ اصل میں چیٹ جی پی ٹی کی ادراکی صلاحیت سے جانکاری اور اس کا تجزیہ ہے۔ مذکورہ نظم کی اصل تک وہ مکمل پہنچی ہے۔ مخصوص لفظیات کی وضاحت بھی کر سکتی ہے۔ مجموعی طور ہم کہہ سکتے ہیں کہ مصنوعی ذہانت نظریہ متن کی تفہیم و تعبیر میں اپنا اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ اس کا تفہیمی انداز اگرچہ معروضی، وضاحتی اور تشریحی ہے مگر حتی الامکان نظم کہ اصل تک پہنچ سکتی ہے۔ مصنوعی ذہانت غزل کی نسبت نظم کو سمجھنے کی اپروچ زیادہ رکھتی ہے۔

ناول ضخامت کے باعث مکمل کمانڈ نہیں دیا جا سکتا۔ تجربہ سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ مصنوعی ذہانت کی مذکورہ دو ایپ کو کمانڈ جتنی طویل دی جائے اس کے بہتر نتائج کے امکانات اتنے کم ہوتے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں ہم نے معروف اردو ناولوں کے حوالے سے کرداری، موضوعاتی، تہذیبی، ثقافتی اور سماجی حوالوں سے تجربات کیے ہیں۔ علاوہ ازیں چند معروضی نوعیت کے سوالات بھی پوچھیں گے جن کا جواب بھی غلط سامنے آیا ہے۔ چند تجربات کی تفصیل یہاں مکمل بیان کرنے کے بجائے نتائج کو درج کرنے پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

چیٹ جی پی ٹی سے سجاد ظہیر کے معروف ناول **"لندن کی ایک رات"** کا کرداری مطالعہ جب دریافت کیا گیا تو اس نے چار کردار مرزا غالب، مہرین، تاج اور دیگر کردار لکھ کر عمومی اور سطحی باتیں ان سے جوڑ دیں۔ آخر میں نتیجے میں کہیں ناول کی اصل تک پہنچنے کی سعی نہیں کی۔ خدیجہ مستور کے ناول **"آنگن"** کے کرداروں میں بقول چیٹ جی پی ٹی مہرین، صوفی، علی، ماں اور دیگر کردار شامل ہیں۔ اردو کے چند نمائندہ ناولوں کے نام کے اندراج کی کمانڈ دی گئی تو سات ناولوں کی لسٹ جاری کی جن میں تین ناول اور ناول نگار کے نام درست جبکہ چار ناولوں کے نام فرضی پیش کر دیے گئے۔ ناول جندر، جھوک سیال اور ایسی بلندی ایسی پستی کے مصنفین کے نام الگ الگ سوالیہ انداز میں دریافت کیے گئے تو اس نے تینوں کے مصنفین کا نام "علی اکبر ناطق" لکھ کر ظاہر کیا۔ گویا ناول کے حوالے سے چیٹ جی پی ٹی اور جیمنائی سے موضوعی اور معروضی نوعیت کے سوالات کے جوابات مختلف تجربات کرنے سے غلط سامنے آئے۔ اردو ناول کی تفہیم و تعبیر تو دور اس ضمن نہایت سرسری اور بنیادی سوالات کے جوابات بھی اس کے پاس نہیں ہیں۔ اس پر مستزاد خود سے غلط اور گمراہ کن نتائج کی پیش کش ہے۔

چند مشہور افسانے جن کے متون آن لائن موجود ہیں۔ ان کے تجزیات بالخصوص کرداری مطالعہ، موضوعاتی مطالعہ، نفسیاتی مطالعہ،

مابعد نو آبادیاتی مطالعہ اور تانیثی مطالعات جب چیٹ جی پی ٹی سے پوچھے گئے تو اس نے فرضی انداز میں تجزیات پیش کر دیے۔ اپنی طرف سے کردار بنا دیے۔ موضوع سے ہٹ کر تجزیہ کر ڈالا۔ ہر تجزیہ کے آخر پر خلاصہ بیان کیا جو گمراہ کن ثابت ہوا۔ غلام عباس کے افسانہ **"اوورکوٹ"** کے کرداری مطالعے کا استفسار کیا گیا تو تین کردار مرزا صاحب، بیگم اور دوست کے نام سے پیش کر دیئے۔ جیمنائی سے جب سوال کیا کہ **"نیا قانون"** کا مابعد نو آبادیاتی مطالعہ کریں تو اس نے اسے نذیر احمد کے اہم ناول کے طور پر ظاہر کیا۔

مجموعی افسانہ نگاروں کا سوال کیا تو سرخیوں کی مدد سے عمومی وضاحت کر دی نام بدل کر ایک ہی سوال کئی افسانہ نگاروں کے حوالوں سے کیا تو چیٹ جی پی ٹی نے وہی مجموعی جوابات سرخیوں کی مدد سے دیے جن میں یکسانیت کا غلبہ رہا ہے اس ضمن اس کی اپروچ بڑی سطحی اور عمومی ہے۔

مصنفین جن میں کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، غلام عباس، خدیجہ مستور، احمد ندیم قاسمی، رجندر سنگھ بیدی، انتظار حسین، نیر مسعود، رشید امجد اور اسد محمد خاں کی کتابوں کے نام پوچھے گئے تو وہ بھی غلط بتائے۔ خود سے کتابوں کے نام ظاہر کر دیئے۔ کچھ درست کچھ غلط۔ چند مشہور ادبی شخصیات جن میں مولانا الطاف حسین اور مولانا شبلی نعمانی کی مجموعی ادبی خدمات کے حوالے کمانڈ دی تو چیٹ جی پی ٹی نے گمراہ کن معلومات میسر کیں جیسے حالی کی ادبی خدمات کے باب میں افسانہ نگاری کے ذیل "طلسم ہوش ربا" کو ان کی تصنیف قرار دیا۔ جیمنائی سے یہی سوال پوچھا گیا تو اس نے مختصر جواب دیا، حالی کی تصانیف کے نام غلط لکھ دیئے۔ چیٹ جی پی ٹی سے مولانا شبلی نعمانی کی خدمات کے بارے استفسار کیا تو اس نے شاعری میں "شکوے" کو اور تنقید میں "مقدمہ شعر و شاعری" کو شبلی کی تصانیف میں شمار کیا۔ حالاں کہ یہ معروف ادبی شخصیات ہیں، ان کے حوالے سے انٹرنیٹ پر آن لائن مضامین اور کافی ڈیٹا موجود ہے۔ جنریٹو مصنوعی ذہانت کے بارے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ انٹرنیٹ پر موجود مواد سے ڈیٹا جمع کر کے، میسر معلومات کے سہارے جواب دیتی ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر اس کے جوابات جن کی نوعیت معروضی ہے، غلط کیوں ہیں۔ یہ تشویش ناک صورت حال ہے۔

اس سے پیدا ہونے والے مسائل کچھ کا ذکر ہم نے اوپر کر دیا ہے نتائج کے طور پر ذیل میں چند معروضات پیش ہیں۔

- ایک ہی کمانڈ کو دو ڈیوائسز پر دینے کے بعد سے جواب مختلف آتا ہے۔ اسی طرح ایک ہی ڈیوائس پر ایک ہی سوال دو بار کمانڈ دینے سے جواب مختلف اور غلط آتا ہے۔
- جواب میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ یعنی دو متون کی الگ الگ تشریح کروائیں تو اس تشریح میں لفظیات ایک ایسی نظر آئیں گی۔ ایک کردار (وہ بھی فرضی حقیقت میں وہ ناول میں سرے سے موجود ہی نہیں) کا دوناولوں میں موجود ہونا ظاہر کیا۔
- جو کمانڈ دیں گے، جواب اس مطابق ہو گا۔ کمانڈ ادھوری اور ناکافی، جواب ادھورا اور ناکافی بلکہ غلط۔
- اشعار کی تشریح سیاق سے الگ ہو کر سامنے آتی ہے۔
- اردو غزل میں شعرا کے تخلص کو بطور تخلص سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہے۔

- نظم کی تشریح اگرچہ قریب قریب درست ہوتی ہے، مگر نظم کی اصل تک پہنچنے میں بھی اس کی کمزوری ثابت ہے۔

اردو ناول اور افسانے کے حوالے سے اس کی معلومات نہایت سطحی، غلط اور گمراہ کن ہیں۔ کیوں کہ ان دونوں اصناف کا مکمل متن پیش کر کے تجزیہ نہیں کروایا جاسکتا۔

تجربات سے یہ ثابت ہوا کہ مذکورہ دو ایپ انٹرنیٹ سے ڈیٹا یوں ترتیب دیتی ہیں کہ غلط معلومات بھی ساتھ شامل ہو جاتی ہیں۔ اس لیے اس پر کلی انحصار کم از کم اردو ادب کے حوالے سے زیادہ مناسب نہیں ہے۔ مصنوعی ذہانت اور خصوصا جنریٹو مصنوعی ذہانت سائنس، سماجی علوم، فارمیسی یا دیگر ڈسپلن میں مفید ہو سکتی ہیں مگر ادب اور خصوصا اردو ادب کے حوالے سے تاحال کارمد نہیں ہے۔ آئندہ وقت میں بھی اردو ادب کی تفہیم و تعبیر کے حوالے سے اس کے امکانات کم ہیں۔ ایک بات واضح ہے، انسانی انتقادی صلاحیت اور مصنوعی ذہانت کی انتقادی صلاحیت کا کوئی تقابل نہیں، گویا مصنوعی ذہانت انسانی ذہانت کا متبادل نہیں۔ یہ سوالات کے جوابات خود سے غلط پیش کر دیتی ہے۔ پہلی تو خرابی یہی سے شروع ہوتی ہے کہ اس کو غلط جواب دینے سے کسی طور روکا جاسکے۔ تاکہ یہ سوال کا جواب غلط دینے کے بجائے معذرت کر لے یا جو درست ہے وہی پیش کرے۔

حوالہ جات

1. عثمانی، ذیشان الحسن، نثار رشید، مصنوعی ذہانت، اسلام آباد: گفتگو پبلی کیشنز، ۲۰۲۰ء، ص ۳۴
2. باقر نقوی، مصنوعی ذہانت ایک نیا فکری تناظر، کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۶ء، ص ۴۳
3. ناصر عباس نیر، "مصنوعی ذہانت بہ مقابلہ انسانی تخیل"، مشمولہ سہ ماہی "معاصر" انٹرنیشنل، جلد ۲۴، شمارہ ۲۹، جولائی تا ستمبر، ۲۰۲۴ء، ص ۴۱
4. ن م راشد، کلیاتِ راشد، لاہور: ماورا پبلشرز، س ن، ص ۱۰۸
5. اختر الایمان، کلیاتِ اختر الایمان، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، ۲۰۰۰ء، ص ۵۱۹